(۹) ۸

ھدایت القرآن

قرآن کی بنیادی تعلیم:

محمد تقی امینی

اوپر تین گروہوں کا بیان تھا جن سے کتاب ہدایت (قرآن) کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ ان کے تعارف کے بعد اب اصول اور بنیادی تعلیم کا ذکر ہے جس کے گرد قرآن کی فکری و عملی زندگی گردش کرتی ہے وہ ہیں۔

(۱)۔ توحید (۲)۔ رسالت اور (۳)۔ آخرت۔

(۱) توحید ایک اور صرف ایک اللہ پر ایمان لانا اور اسی کی فرماں برداری کرنا۔

(۲) رسالت۔ اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانا اور اسی کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنا کہ اسی میں اللہ کی فرماں برداری ہے۔

(۳) آخرت۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہونے پر یقین رکھنا۔

قرآن نے انسان کی اندرونی زندگی کا جو حال بیان کیا ہے اس کے لحاظ سے ان تینوں پر ایمان اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی کو تعلیم کے ذریعہ اندر سے ابھارا جاتا ہے۔ اوپر سے مسلط نہیں کیا جاتا، یعنی انسان کی پیدائش کے وقت ان تینوں کے نقوش فطرت میں پیوست کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے، اس طرح فطرت اور تعلیم میں مطابقت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن نے انسان اور اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کی جو تاریخ بیان کی ہے اس کے لحاظ سے بھی ان تینوں کی تعلیم نئی نہیں ہے بلکہ اسی وقت سے دی جاتی رہی ہے جب سے دنیا میں انسان آیا اور جب سے ہدایت بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان اور اللہ کی ہدایت کے درمیان کوئی وقفہ یا فاصلہ

رہا ہو یعنی انسان رہا ہو اور اللہ کی ہدایت نہ موجود رہی ہو، یا انسان تنہا آیا ہو اور ہدایت بعد میں آئی ہو۔ جیسا کہ اگلے رکوع میں انسان اور ہدایت دونوں کی ابتدائی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ساتھ ہی اس وقت کی ابتدائی زندگی کے لحاظ سے ابتدائی ہدایتوں کو ساتھ لایا تھا جس میں توحید رسالت اور آخرت تینوں شامل تھے۔

دُنیا اتنی تحقیق کے بعد اب اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ انسان کا قدیم ترین عقیدہ توحید رہا ہے۔ شرک کا عقیدہ بعد میں آیا ہے۔ یہ نتیجہ بجائے خود قرآن کی بتائی ہوئی انسان کی فطرت اور اس کی ابتدائی تاریخ کی سچائی کا کھلا اعلان ہے۔

توحید کا ثبوت :

یَاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا ... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اے لوگو[1] تم اپنے اس رب کی عبادت کرو[2]، جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی، جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو جاؤ[3]۔ وہی رب (پرورش کرنے والا)، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور بادل سے پانی برسایا، پھر اس نے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے پس تم کسی اور کو اللہ کا شریک نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو کہ یہ سب اسی نے کیا ہے،[4]

[1] خطاب تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص گروہ و فرقہ کے لئے نہیں ہے اور انداز بھی وہی اختیار کیا گیا ہے جو تمام نبیوں اور رسولوں کا رہا ہے۔ سبھی نے پہلے اُعْبُدُوْا (تم اللہ کی عبادت کرو) ہی فرمایا تھا۔

[2] عبادت کی وضاحت سورۃ فاتحہ میں گذر چکی ہے کہ اس کی حقیقت اللہ کی عظمت و بڑائی کے سامنے انتہائی محبت و دل کی لگن کے ساتھ انتہائی عاجزی و ذلت کا اظہار ہے آیت میں عبادت کی یہی حقیقت مراد ہے۔ اللہ بندہ کا صرف آقا و حاکم ہی نہیں ہے بلکہ محبوب و من موہن و دل کا پیارا بھی ہے۔ اس بنا پر محبت عبادت کی حقیقت میں داخل ہے جو عبادت محبت کے بغیر ہوگی اس میں صرف ضابطہ کی خانہ پری ہوگی اور رابطہ کا تعلق نہ پیدا ہوگا اس میں قانون کی خشکی ہوگی محبت کی چاشنی سے محرومی ہوگی۔ جب کہ اللہ کو مطلوب وہ عبادت ہے جس میں محبت کی

چاشنی ہو اور دل دہان سے اللہ کی فرمانبرداری ہو۔

عبادت کی بے شمار شکلیں اور صورتیں ہیں ہر وہ کام اور بات عبادت ہے جس سے اللہ راضی ہو اور جو اللہ کو پسندیدہ ہو۔ اسی طرح ہر وہ کام اور بات عبادت ہے جو اپنی ذات، گھر والوں، رشتہ داروں کو اور اللہ کے دوسرے تمام بندوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے یا نقصان سے بچانے کے لئے ہو۔ اس طرح عبادت کے دائرہ میں انسان کی پوری زندگی آجاتی ہے اور زندگی کے تمام حالات و معاملات سے اس کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ پوجا ایک خاص رسم ہے جس کا حق دار نہ معلوم کس کس کو سمجھا جاتا ہے اور جس کا تعلق زندگی کے تمام حالات و معاملات سے نہیں قائم ہوتا ہے پھر جس کی پوجا کی جاتی ہے اس کی طرف سے کچھ کرنے یا چھوڑ دینے کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا ہے کہ جس سے اس کی رضامندی و ناراضگی کا پتہ چل سکے، اس بنا پر عبادت کا ترجمہ پوجا سے کرنا یا اس کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ عبادت کا فائدہ تقویٰ حاصل کرنا بتایا گیا ہے یعنی اندر جو روحانی کیفیت (دل کی روشنی) ہے وہ ابھر آئے اور پھر قرآن سے ہدایت لینے میں دشواری نہ رہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت کی حقیقت کو اندر کی فطری حالت ابھارنے، اس کو پروان چڑھانے اور پھر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے قابل بنانے میں خاص دخل ہے۔

۴۔ عبادت کا حق دار صرف اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس کے ثبوت میں اللہ کی تین صفتیں ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ وہی تمہاری پرورش کرتا ہے۔
۲۔ وہی تمہیں پیدا کرتا ہے۔
۳۔ وہی تمہارے زندہ رہنے کا انتظام کرتا ہے۔

(۱) پرورش کی صفت اللہ کی محبت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے بغیر کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا ہے۔

(۲) پیدائش کی صفت اللہ کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے بغیر کوئی کسی کے سامنے نہیں جھکتا ہے۔

(۳) انتظام کی صفت قدم قدم پر انسان کی محتاجی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے

بغیر علت کے سامنے بھی کوئی جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے ۔

پرورش کی صفت میں پیدائش کی صفت شامل نہ تھی اس لئے اس کو علیحدہ سے ذکر کیا کہ بات صرف پرورش پر نہیں ختم ہوتی بلکہ تم کو اور تمہارے باپ دادا کو پیدا بھی اسی نے کیا ہے ۔ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ اس زمین و آسمان کو تمہارے رہنے کے قابل اسی نے بنایا ہے اور تمہارے زندہ رہنے کے لئے ہر قسم کے رزق کا انتظام بھی وہی کرتا ہے ۔

پس جو ذات پرورش، پیدائش اور انتظام سب کچھ کرتی ہے وہی اور صرف وہی عبادت کی حق دار ہے اور جس کا ان سب میں کوئی شریک نہیں ہے تو اس کی عبادت میں کسی اور کی شرکت کیوں کر ہو سکتی ہے ؟ جب تم ان تینوں کو خالص اللہ ہی کی طرف سے جانتے ہو کسی اور کو شریک نہیں مانتے تو پھر عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا کیسے گوارا کرتے ہو ۔

رسالت کا ثبوت

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے ، اس کے ثبوت میں قرآن نے دو باتیں پیش کی ہیں ۔

(۱) ایک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور (۲) دوسری وہ کتاب (قرآن) جو ہدایت و رہنمائی کے لئے آپؐ نے پیش کی ہے ۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں آپؐ ہی کی زبان سے کہلوایا گیا کہ " میں عمر کا بیشتر حصہ تم میں گذار چکا ہوں (یونس آیت ۱۶) میری زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تم سب کے سامنے ہے ۔ ہر شخص دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی کمی اور قصور نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام انسانوں کی زندگی سے کہیں بلند و برتر ہے ، میری زندگی کے بارے میں یہ تجربہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں کوئی بات اپنی خواہش کے تحت اپنے اقتدار اور فائدے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ کی بات اس کی مرضی کے مطابق لوگوں تک پہنچا رہا ہوں ۔

(۲) کتاب (قرآن) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے اللہ کی طرف سے ہونے میں تمہیں کسی قسم کا شک و شبہ ہے تو اس کا مقابلہ کر کے دیکھو ، اس جیسی کوئی چھوٹی

سی چھوٹی سورت بنا کر لاؤ اور تنہا نہیں بلکہ جتنے تمہارے حمایتی اور مددگار ہوں ان کو بھی اس مقابلہ میں اپنے ساتھ بلا لو پھر فیصلہ کرو کہ کیا یہ کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

یہ دونوں ثبوت اتنے مضبوط اور پائدار ہیں کہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گے اور نہ ان میں کمی آئے گی اور نہ ختم ہوں گے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور اگر تم لوگ[1] اس کتاب کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے[2] تو ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت اس جیسی تم بھی لے آؤ اور اپنے حامیوں کو بھی اللہ کے مقابلے میں بلا لو اگر تم سچے ہو[3]

[1] پہلے کی طرح یہ خطاب بھی تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص قوم یا زمانہ کے لئے نہیں ہے اور مقابلے کے لئے دعوت بھی کسی ایک پہلو سے نہیں ہے۔ بلکہ زبان، انداز بیان، معانی، مطالب، مقاصد، مفہوم میں گہرائی اور وسعت ہر پہلو سے ہے۔

بلاشبہ قرآن میں عربی زبان کے نہایت اعلیٰ درجہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جملوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ترکیب استعمال کی گئی ہے لیکن ان الفاظ اور جملوں میں جو معانی مطالب اور مقاصد پوشیدہ ہیں ان میں جس قدر گہرائی اور وسعت ہے پھر ان کے لئے جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے وہ سب نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہیں اور ان سب سے مقابلہ کے لئے تمام انسانوں کو دعوت دی گئی ہے۔

[2] قرآن کوئی نئی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسان کی ہے۔ سب سے پہلے انسان (آدمؑ و حواؑ) تنہا نہیں آئے بلکہ اللہ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی بھی اپنے ساتھ لائے، پھر ان کی اولاد میں بھی ضرورت اور وسعت کے لحاظ سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ قرآن کی شکل میں اسی ہدایت و رہنمائی کا آخری ایڈیشن آ گیا۔

ہدایت و رہنمائی کی ابتدا سے قرآن کے زمانہ تک کا وقفہ کچھ کم نہیں

ہے بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اس عرصہ میں اس کو مختلف طبیعتوں مختلف حالتوں اور مختلف فضاؤں سے سابقہ پیش آتا رہا ہے جس سے طبیعت کو ہموار کرنے اس کو مضبوط بنانے اور فضا کو قابلِ قبول بنانے میں بڑی مدد ملی - پھر یہ مجموعہ (قرآن) ایک دم سے نہیں آگیا بلکہ مختلف وقتوں میں، مختلف حالتوں کے لحاظ سے پہلے تھوڑا تھوڑا آتا رہا اور موقع و ضرورت کے مطابق پہلی شریعتوں میں تبدیلی بھی ہوتی رہی جس سے ہر قسم کے تجربات کے کافی مواقع فراہم ہوئے، یہاں تک کہ جب انسان کی طبیعت نے اس کی استعداد اور دوسرے حالات سازگار ہو گئے تو ہدایت و رہنمائی کے اسی سلسلے کو قرآن کی صورت میں آخری اور مکمل شکل دے دی گئی -

سلہ قرآنی ہدایت و رہنمائی کی بنیاد "فطرت" پر ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے معاشرہ اور سوسائٹی پر نہیں ہے جس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے - یوں سمجھئے کہ فطرت ایک پاکیزہ اور صاف ستھرا "بیج" ہے جس پر انسانیت کا درخت اُگتا اور پھل پھول لاتا ہے یہ بیج ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس کے اندر پیوست کر دی جاتی ہے - ریسرچ و تحقیق کے کسی دائرہ میں اب تک نہیں آسکی ہے - اس کی حیثیت اب بھی انکشافِ حقیقت کی (Revelation of Truth) کی ہے جس پر پڑے ہوئے پردے کو اللہ نے اٹھایا ہے انسانی دریافت کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے انسان اپنے بارے میں بہت کم معلوم کر سکا ہے اور جس قدر اس نے معلوم کیا ہے وہ بھی ناقص حالت میں ہے جس کا اقرار خود ماہرین کو ہے -

قرآن کا اصل میدان انسان ہے اس کے سارے بیانات اسی سے متعلق ہیں، دوسری چیزیں اسی کی کارپردازی کے لئے ہیں اور اسی کی کارگذاری میں لگی ہوتی ہیں اس نے جس نظر سے انسان کو دیکھا اور اپنے بیان میں روحانی پاکیزگی، اخلاقی سچائی قانونی تقدس اور تاریخی شرافت کا جس قدر اہتمام کیا ہے، علم و فن کی اتنی ترقی کے باوجود اس کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکی ہے -

پھر قرآن کے بیان میں کوئی چیز علیحدہ نہیں ہے بلکہ فکر (عقیدہ) و عمل، ضمیر و اخلاق، تاریخ و قانون سب ایک دوسرے کے ساتھ بڑے ہوئے ملے ہوئے اور روحانی نظام میں اس طرح گندھے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ہے

اور اگر علیحدہ کرکے دیکھا گیا تو اس کی اصلی حیثیت اور فائدہ مندی نہ باقی رہے گی۔

قرآن کا انداز بیان اصول کی شکل میں ہے اس میں عام قاعدے اور ان کے مفاسد بیان کئے گئے ہیں انسانوں کے مصالح اور فوائد پر گفتگو ہے اور ہر ایک کے ثبوت میں تاریخی حوالوں کی بار بار شہادت ہے۔ ان کے مطابق زندگی گذارنے اور نہ گذارنے کے آنکھوں دیکھے اثرات اور نتائج کا بیان ہے۔ اس میں جزئی باتیں اور جزئی قوانین بہت کم ہیں اور جس قدر بھی ہیں وہ نمونہ کے طور پر ہیں تاکہ ان کی روشنی میں ترقی کرتے والی زندگی اور آگے بڑھنے والے معاشرہ و سوسائٹی کے مسائل حل کئے جاتے رہیں۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ انداز بیان اس ہدایت و رہنمائی کے لئے ضروری ہے جو سب کے لئے ہو اور ہمیشہ رہنے والی ہو۔ مان لیجئے اگر اس میں تفصیلات بیان کردی جاتیں اور ہر ایک کی عملی شکل کے خاکے تیار کر دئیے جاتے تو یہ تفصیلات اور خاکے کسی ایک زمانہ اور کسی ایک قوم کے لئے ہوتے۔ سب کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نہ ہوتے، پھر قرآن کی ہدایت و رہنمائی عالمگیر نہ ہوتی اور اس میں وہ کشش نہ پیدا ہوتی جو ہر زمانہ میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝

"پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ سکو گے تو اس آگ سے ڈرو
جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے"[۲]

[۱] اوپر قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورت بناکر پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی یہ اس سے آگے کا قدم ہے، جس میں مقابلہ کے لئے چیلنج کیا گیا ہے اور حمیت و غیرت کے ابھارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ انداز وہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کسی میں ذرا بھی ہمت و جرأت ہو تو جان تک لڑانے کے لئے تیار ہوجائے۔

[۲] پھر مقابلہ نہ کرسکنے کی صورت میں دوزخ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے دنیوی عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی ہے کہ اس میں کسی نہ کسی طرح زور اور سفارش کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے جب کہ دوزخ کے عذاب میں دنیا کی طرح کسی کے زور اور سفارش کی گنجائش نہیں ہے۔ آگے زیادہ وضاحت آرہی ہے،

۳ے پھر جن کے زور اور جن کی سفارش پر ناز تھا، پتھر کی مورتیاں، دوزخ کے ہدآ میں وہ بھی ان کے ساتھ ہوں گی جس سے ایک طرف عذاب میں شدت ہوگی اور دوسری طرف حسرت وندامت میں اضافہ ہوگا۔ چیلنج میں ایسے عذاب کی دھمکی مقابلہ میں مزید تیزی پیدا کرتی ہے اور ہر طرح سے دعوٰی کو جھوٹا کر دکھانے اور جھٹلا دینے پر اکسا کے چیلنج کا جواب دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ :

اور ان لوگوں کو خوشخبری دیجئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں[۱] جب انہیں وہاں کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے (دُنیا میں) دیا جا چکا ہے اور شکل وصورت میں (نہ کہ مزہ میں) ملتا جلتا ہی پھل دیا جائے گا اور ان کیلئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے[۲]

[۱] یہ ان لوگوں کے لئے اجر وانعام کا وعدہ ہے جو ایمان لا کر اچھے کام کریں۔ پہلے قرآن سے انکار پر جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا، اب اس پر ایمان لا کر اجر وانعام کی امید دلائی جا رہی ہے۔

ڈرانا اور امید دلانا یہی دو مؤثر ذریعہ اور کارگر ہتھیار ہیں جن کے ذریعہ انسان پر قابو پایا جاتا اور اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اگر یہ دونوں کسی معاشرہ میں نہ باقی رہ جائیں تو پھر اسکی آزادی و بے راہ روی پر قابو پانے اور اس کو اچھے کام پر ابھارنے کی کوئی شکل نہیں رہتی ہے۔

قرآن میں دنیوی سزا کے مقابلے میں آخرت کی سزا سے زیادہ ڈرایا گیا ہے اسی طرح دنیوی جزاء کے مقابلے میں آخرت کی جزاء کی زیادہ امید دلائی گئی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دنیا بڑی حد تک انسان کے قابو میں ہے اس کی سزا سے بچنے اور اس کی جزاء کو حاصل کرنے کے لئے انسان کے پاس ہزار راہیں اور ہزار تدبیریں ہیں جن کو کام میں لا کر وہ سزا سے بچا رہتا اور جزاء حاصل کرتا رہتا ہے۔ آخرت کی سزا اور اسکی جزاء میں ایسا نہیں ہے وہ تمام تر انسان کے قابو واختیار سے باہر ہے۔

پھر دنیوی جزاء اور سزا کے قانون کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ یہاں مقصود دُنیا کا نظام چلانا اور اس کو ترقی دیتے رہنا ہے۔ بسا اوقات اس نظام کی رعایت ایسی ضروری ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے جزاء و سزاء کے عام قانون کو ملتوی کرنا پڑتا ہے، کبھی خاص فائدہ کے تحت تکلیفوں اور مصیبتوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کی جاتی ہے جو سمجھ میں نہیں آتی ہے اور دل و دماغ کے آبگینہ کو پتھر سے کچلا جاتا ہے جس کو دیکھ کر سزا کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ اپنے کاموں کی بناء پر وہ سزاء کا نہیں جزاء کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح خاص مصلحت کے تحت کسی کو آسائش اور انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے جس کا سبب سمجھ میں نہیں آتا اور جس کو دیکھ کر جزاء کا شبہ ہوتا ہے۔ حالاں کہ اپنے کاموں کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

اچھے بُرے کام پر دُنیا میں بھی جزاء سزا کا قانون نافذ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دُنیا میں لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہو، یا اجر و انعام سے ان کو بالکلیہ محروم کر دیا جاتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن چونکہ دنیا میں جزاء کی تاخیر اور سزاء میں مہلت و ڈھیل کی بیشمار ایسی صورتیں پائی جاتی ہیں جن کو گرفت میں لانا آسان نہیں ہے۔ اسی طرح خاص فائدہ کے تحت تکلیفوں اور مصیبتوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش اور خاص مصلحت کے تحت آسائش اور انعام واکرام کی بے شمار صورتیں ہیں جن کو کسی خاص ضابطے کے تحت لانا انسان کے لئے ناممکن ہے جب کہ وہ اللہ کے مقررہ ضابطہ ہی کے تحت ہیں ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ دُنیا کے مقابلہ میں آخرت کی جزاء و سزا کا ذکر انسان و سماج کے لئے زیادہ مفید و مؤثر ہو سکتا ہے۔ خواہ اچھے کاموں پر رغبت دلانے کے لئے ہو یا بُرے کاموں سے بچانے کے لئے ہو۔

آخرت دُنیا سے دور بھی نہیں ہے یوں سمجھیے کہ زندگی کے دو حصے ہیں ایک دنیا اور دوسرا آخرت درمیان میں موت گویا تھکاوٹ دور کرنے کے لئے ایک وقفہ ہے یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر۔

زندگی کے اس دوسرے حصہ کا ذکر و تذکرہ آج سے نہیں اسی وقت سے شروع ہوا ہے جب سے انسان نے زمین پر قدم رکھا ہے۔ یہ ذکر تذکرہ اللہ کی ہدایت نے

شروع کیا اور مسلسل جاری رہا اور حیرت ہے کہ اب تک کسی نے نہ صرف یہ کہ اس کے خلاف کا ثبوت نہیں پیش کیا، بلکہ انکار کی صورت میں جو زندگی میں خلاء رہ جاتا ہے اس کو پُر کرنے کی کوشش بھی نہ ہو سکی اور اچھے و برے کاموں کی جزاء و سزا کے بارے میں جو طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب بھی اب تک نہ فراہم کیا جا سکا۔ حقیقت ہمیشہ حقیقت رہی اس کی سچائی کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ سچ ہے بچہ کی سمجھ میں اگرچہ نہیں آتا کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جل جائے گا، دودھ کے استعمال سے قوت آئے گی۔ لیکن اس سمجھ میں نہ آنے سے نہ آگ کی خاصیت (جلانا) بدلتی ہے نہ دودھ کی خاصیت (قوت پہنچانا) میں تبدیلی آتی ہے اور نہ بچہ کے سرپرست آگ سے ڈرانے اور دودھ سے رغبت دلانے میں کوئی کمی کرتے ہیں۔

بلاشبہ جدید دنیا کے انسان نے علم و عقل کے ذریعہ بہت سی حقیقتوں کو دیکھ لیا ہے، لیکن کوشش و جدوجہد کے باوجود کتنی بے شمار حقیقتیں ایسی ہیں جن تک اس کی نظر نہیں پہنچ سکی ہے، جن حقیقتوں کو اس نے علم و عقل کے ذریعہ دیکھا ہے ان کا وہ اس سے پہلے انکار کرتا رہا ہے۔ لیکن دیکھنے کے بعد نہ صرف اقرار کرنے پر مجبور ہوا بلکہ انکار کرنے والوں کو ویسے ہی نادان و جاہل سمجھتا ہے۔ جیسے بچہ کو اس کا سرپرست نادان و جاہل سمجھتا ہے۔

پھر حقیقتوں کو دیکھنے کے لئے جدید دنیا کے انسان نے علم و عقل کا جو آئینہ تیار کیا ہے اس کا تعلق زندگی کے پہلے حصے (دنیا) سے ہے، زندگی کے دوسرے حصہ (آخرت) کو دیکھنے کے لئے نہ اس نے آئینہ تیار کیا نہ کسی اور طرح دیکھنے کا دعویٰ کیا بس بلا دلیل انکار کر دینے ہی کو غنیمت جانا ــــــــــــــــ بہت ممکن ہے یہ صورت حال اس بناء پر ہو کہ اس نے جو آئینہ تیار کیا ہے اس میں زندگی کا دوسرا حصہ (آخرت) اپنی وسعت کی وجہ سے نہ سما سکتا ہو اور اس کے لئے جس آئینہ کی ضرورت ہو اس کی تیاری پر وہ قدرت نہ رکھتا ہو۔ اس کمزوری کو چھپانے کے لئے اس نے انکار کی راہ اختیار کی ہو۔

لیکن جس انداز سے زندگی کی حقیقتوں کی دریافت ہو رہی ہے اس سے بعید نہیں کہ اس بڑی حقیقت کی دریافت کے لئے بھی راہ ہموار ہو جائے اور ہدایت الٰہی سے

مدد لینے پر مجبور ہونا پڑے - انسان اور سماج پر کنٹرول کی ضرورت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے لئے ساری تدبیریں فیل ہو رہی ہیں - اب تو چار و ناچار نارِ جہنم سے خوف دلانے کا ذکر بھی زبان پر آنے لگا ہے کیا عجب ہے کہ یہی ضرورت آخرت کی جزا اور سزا پر ایمان کا دروازہ کھول دے اور زندگی کا دوسرا حصہ بھی نظر آنے لگے -

قرآن میں آخرت کی جزا و سزا کا ذکر جنت و جہنم سے کیا گیا ہے - جنت میں اعلیٰ درجہ کی راحت و منفعت اور جہنم میں سخت قسم کی اذیت و مضرت بتانا مقصود ہے - جب موقع کسی بات کے کرنے نہ کرنے کا ہو یا کسی حکم کے ماننے نہ ماننے کا ہو یعنی کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ کرنے کی تاکید کی جائے ایسے موقع پر راحت و اذیت یا منفعت و مضرت کا ذکر لازمی ہے - اگر ایسا نہ ہو تو کوئی شخص کوئی بات سننے سمجھنے کے لئے تیار نہ ہو - جنت و جہنم میں جن چیزوں کا ذکر ہے یہ بالعموم وہی ہیں جو انسان کی بول چال میں آتی ہیں - اگر ان کے علاوہ دوسری چیزوں کا ذکر ہوتا جو انسان کی بول چال میں نہیں آتی ہیں تو لوگوں کا سمجھنا دشوار ہوتا، پھر جنت کی امید دلانے اور جہنم سے خوف دلانے کا مقصد فوت ہو جاتا، جو لوگ جنت و جہنم کے چیزوں کے بکثرت ذکر تذکرہ پر اعتراض کرتے ہیں، وہ نہ لوگوں کی نفسیات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ان کی اصلاح کے طریقوں سے واقفیت رکھتے ہیں - (...)

بعثتِ نبوی ... کا ... مقصد

بعثتِ محمدی کی امتیازی و تکمیلی شان ——— نیز

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ———

ایسے اہم موضوعات پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجیے

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ قیمت فی نسخہ ... روپے

اسلام میں عورت کا مقام

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

عورت اقبال کے کلام میں

مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور